ڈاکٹرعلی بیات
پروفیسرشعبہ اردو، تہران یونیورسٹی ، ایران

ترجمان الغیب: تنقیدی جائزہ

Dr Ali Bayat

Professor Department of Urdu,

University of Tehran, Tehran, Iran

"Tarjman ul Ghaib":Analytical Study

'Tarjman ul Ghaib' is a translation of 'Dewaan e Hafiz'.The Translator molvi Ehtsham ul din Haqi was born in Delhi in 1880.He translated Dewaan e Hafiz when a resistance against hafiz's poetry took place in united India.This translation has much importance. In this article the qualities of translation have been discussed in detail.

مترجم کا تعارف:

مولوی احتشام الدین حقی ۱۸۸۰ءکو دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا شجرہ نسب گیارہویں پشت سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ملتا ہے۔حضرت شیخ کے مورث اعلیٰ آغا محمد ترک بخارا کے رہنے والے تھے اور۔آغا محمد ترک تیرہویں صدی عیسوی میں مغلوں کی بربریّت سے بددل ہوکر ترکوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ہندوستان آئے۔

حقی صاحب کی ابتدائی تعلیم عربی اور فارسی کے خانگی درس سے شروع ہوئی۔آپ نصف قرآن کے حافظ بھی تھے۔اس کے بعد آپ نے اپنی پوری تعلیم علیگڑھ میں حاصل کی۔وہ اردو زبان کے بڑے قدردان تھے اور شاعری سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔اپنے وقت میں علیگڑھ میں بڑے دھوم کے شاعر تھے۔وہ منظوم خط بھی لکھتے تھے۔انہوں نے قطعات تاریخی بڑی تعداد میں کہے ہیں۔نادان تخلص کرتے تھے۔۱۹۱۴ء میں لٹن لائبریری کے اسسٹنٹ لائبریرین تھے۔اس کے علاوہ نواب محسن الملک اور وقار الملک کے پرائیویٹ سیکٹری بھی رہے۔۱۹۳۰ء میں مولوی عبدالحق مرحوم نے ان کو لغات کبیر کی تدوین کے کام پر لگادیا۔مولوی احتشام الدین حقی کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱-دیوان حافظ کا منظوم ترجمہ ۲-مطالعہ حافظ ۳-افسانہ پدمنی
۴-Reform in the Balance۔یہ کتاب خالصتاً مسلم لیگی نقطہ نظر کی وضاحت کرتی ہے۔مولوی صاحب کا انتقال یکم جون ۱۹۴۵ءکو ہوا۔(۱)

ترجمے کا تعارف:

یہ ترجمہ اس دور کا ہے جب حالی اور دبستان سرسید اور اس کے بعد ترقّی پسند تحریک کے زیر اثر کلاسیکی شاعری اور

خاص طور پر غزل اور غزل گوئی کے متعلق ادیب طبقے میں بہت سے اختلافات پائے جاتے تھے۔ دوسری طرف خود علامہ اقبال نے، حافظ کی شاعری مسلک گوسفندی کا مظہر قرار دی تھی۔ اس دور میں حافظ کی شاعری کے ماننے والے ادیب لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ ان لوگوں میں اسلم جیراجپوری، سجاد ظہیر اور مولوی محمّد احتشام الدین حقی جیسے ادیب بھی شامل ہیں، جو تمام مخالف آوازوں کے سامنے کھڑے ہوگئے اور حافظ کی غزلیات کی حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

کتاب کے آغاز میں حقی صاحب نے ایک حصّہ ''بیانِ مترجم'' کے نام سے بہت عالمانہ اور نقادانہ دیباچہ کے طور پر لکھا ہے۔ اس پہلو سے کلام حافظ کے تراجم میں اس کو ایک انفرادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انھوں نے پہلے ترجمے کی اہمیّت اور اس کی مختلف قسموں کی نشاندہی کی ہے۔ بعدازاں حافظ کے کلام کا اردو کے نامور اور صف اول کے شعرا کی غزلیات سے موازنہ کر کے اسے ان پر فوقیّت بخشنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد اس دور میں حالی اور علاّمہ اقبال کی حافظ کے متعلّق آراء سے کھلے انداز میں اختلاف کیا ہے۔ ایک مقام پر میر و غالب کے کلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اردو میں فی زمانا استاد غالب اور ان کے پیروکار مبالغے کے ساتھ پوجے جا رہے ہیں، حالانکہ ان کی شاعری صاف طور پر یک رُخی ہے، یعنی صرف آہ کا پہلو رکھتی ہے۔ یہی حال اس سے زیادہ قبلہ و کعبہ شعرا میر صاحب کا ہے۔ ان کے اشعار نہیں آنسوؤں کی لڑیاں ہیں۔''(۲)

آگے جا کر مذکورہ بالا اساتذۂ سخن کی شاعری اور حافظ کے کلام کا موازنہ کرتے ہوئے حقّی صاحب کہتے ہیں:

> ''خواجہ حافظ کی غزلیں واہ کا نمونہ بھی پیش کرتی ہیں۔ ہمّت بندھاتی ہیں، مایوسی سے منع کرتی ہیں اور خوشدلی کا بھی جو مساوی حق شاعری پر ہے، اس کو کماحقہٗ ادا کرتی ہیں...''(۳)

ان کی اس رائے کا اگر حافظ کے بارے میں علاّمہ اقبال کے موقف کے ساتھ موازنہ کیا جائے، ان دونوں میں تضاد اپنے عروج پر نظر آئے گا۔

حقی صاحب نے اپنے ترجمے کی خوب توصیف کی ہے۔ ہم اسی سے اس ترجمے کے تعارف میں استفادہ کریں گے۔ ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

> ''اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اصل کے بحر و قافیے کی ہر غزل میں پابندی کی گئی ہے۔ یعنی ترجمہ اُسی بحر و قافیے میں ہے جو اصل فارسی غزلوں کا ہے۔ ردیف بھی مماثل رکھی گئی ہے۔''(۴)

ان کے خیال میں جو موسیقیت اور آہنگ و وزن حافظ کی فارسی غزلوں میں موجود ہے اور گانے بجانے میں جو اثر فارسی اشعار کا ہے، وہی تاثیر ان کے ترجمے میں بھی موجود ہے اور مجالس سماع میں اسی اردو ترجمے کی مدد سے وجد و حال قائم رہ سکے گا۔ ان کا خیال ہے کہ:

> ''...مترجم کو اب یقین ہے کہ یہ ترجمہ اس نے نہیں کیا بلکہ وہ اس کے کرنے پر مامور تھا۔''(۵)

مترجم حافظ کے کلام کے ترجمے کی ضرورت کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''شاید اس ترجمے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہو کہ ہندوستان میں فارسی داں پہلے ہندو بھی بکثرت تھے، اب مسلمان بھی ڈھونڈھے نہیں پاتے۔ حضرت کا کلام لفظاً نہیں تو معناً ہی اس سرزمیں میں قایم اور یہاں کی نسلیں اس سے بدستور منتفع اور متمتع رہیں...''(۶)

ترجمے میں جس طریقے پر مترجم نے عمل کیا ہے، انھیں اس کا بخوبی احساس ہے اور فن ترجمے میں، جہاں کلام حافظ کے دوسرے مترجموں میں کسی نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے، حقّی صاحب، اس فن سے بخوبی آگاہ نظر آتے ہیں۔ جس رویّے پر انھوں نے اپنے اس ترجمے میں عمل کیا ہے، اسی کے متعلّق لکھتے ہیں:

''ترجمہ کہیں لفظی ہے، کہیں محاورے کا اور کہیں باندک ترک وتصرّف جو ترجموں میں جایز سمجھا گیا ہے۔یعنی غیر زبان کے ادب کو اپنانے کے لیے ناگزیر ہے۔بغیر اس کے ترجمہ کسی زبان کا دوسری زبان میں مانوس نہیں بن سکتا۔''(۷)

بہ ہرحال اس دیباچے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلام حافظ کے کس حدتک شیدا ہیں اور اپنے اس عقیدے کو برقرار رکھنے کے لیے، اس دور کے حافظ مخالف بڑے بڑے نقّادوں، ادیبوں اور عالموں کے سامنے کھڑے ہوکر کلام حافظ کا منظوم ترجمہ پیش کرتے ہیں۔آخر میں اس دیباچے کے بارے میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اپنے انداز میں یہ دیباچہ انفرادی حیثیت کا حامل ہے اور اس کے مطالعے سے اس کے مصنف کے ہاں اعلیٰ پایے کی تنقیدی صلاحیت کا پتا بخوبی چلتا ہے۔

دیباچے کے بعد مترجم نے ہرغزل کے مطلع کے پہلے مصرع کو عنوان کے طور پر لکھ کر، ہرغزل کے اصل فارسی بحر و قافیے کو برقرار رکھتے ہوئے؛ اردو منظوم ترجمہ پیش کیا ہے۔جس طرح خود مترجم کہتے ہیں اس ترجمے میں دیوان حافظ کی صرف غزلوں کا ترجمہ پیش ہوا ہے اور دیگر باقی کلام سے اعتنا نہیں کیا گیا ہے۔البتہ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان چھے سو غزلوں میں سے جنہیں حقّی صاحب یا دوسرے مترجموں نے ترجمہ کیا ہے، ان میں سے کم از کم سو غزلیں الحاقی اور حافظ سے منسوب ہیں۔بہ ہرحال اس ترجمے میں بھی چھ سو غزلوں کا منظوم اردو ترجمہ ہوا ہے اور آئندہ اوراق میں ان کے محاسن اور معایب کے بارے میں بحث کی جائے گی۔

ترجمے کے محاسن:

حافظ کے کلام کا منظوم ترجمہ کرنا از خود مشکل اور مشقّت طلب کام ہے۔بہرحال اگر کوئی شاعر اپنے آپ کو اس بات کا پابند کرے کہ، خود حافظ کے فارسی کلام کے بحر و وزن کو اردو نظم میں برقرار رکھے، تو یہ اس مترجم کی مہارت کی دلیل ہے۔اس طرح کی پابندی اپنے اوپر وہ شاعر عائد کرتا ہے جو اردو شاعری میں بھی کہنہ مشق اور استاد ہو۔اس پر مزید یہ کہ خود حافظ کے کلام کی گہرائیوں تک پہنچنا اور اس کو فارسی سے اردو میں منتقل کرنا بھی، خاصی مہارت کا تقاضا کرتا ہے۔اس ترجمے کے مجموعی مطالعے سے، حقّی صاحب ان اوصاف سے کسی حدّ تک متّصف نظر آتے ہیں۔حقی صاحب سے ایک اقتباس کا بھی ذکر ہوا جس سے ان کی، فن ترجمہ کی کلّی تقسیمات اور انواع سے آگاہی کا بخوبی پتا چلتا ہے۔

اس اقتباس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقی صاحب کے ہاں ترجمے کی تین قسمیں ہیں اور ان تینوں تقسیمات کے طریقے پر حافظ کی غزلیات کا انھوں نے ترجمہ کیا ہے: ا:لفظی ترجمہ، ۲: محاورہ آمیز ترجمہ، ۳: آزاد ترجمہ، جس کو انھوں نے باندک ترک وتصرّف کے ترجمے کا نام دیا ہے۔فن ترجمے کے بارے میں ایسا زاویۂ نگاہ دیوان حافظ کے کسی دوسرے مترجم اور شارح کے پاس نظر نہیں آتا۔اس لحاظ سے ان کا عمل انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔اس ترجمے کے مطالعہ اور جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ غزلیات کا بیشتر حصّہ، اوپر کے مذکورہ تقسیمات میں تیسری نوع کے ترجمے کے طرز پر ہے اور اس میں حقی صاحب نے 'باندک ترک وتصرّف' سے کہیں بڑھ کے دخل وتصرّف کیا ہے۔

جن اوصاف اور طریقہ ہائے ترجمے کی اوپر بات ہوئی، ان میں مترجم کی مہارت اور کامیابی کے بارے میں، خود اس ترجمے کی مدد سے بحث کی جائے گی۔ذیل میں حافظ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

شکر ایزد کہ میانِ من و او صلح افتاد
حوریان رقص کنان ساغر مستانہ زدند

اردو منظوم ترجمہ:

شکر صد شکر مرے اُس کے بہم صلح ہوئی

رقص حوروں نے کئے عیش میں مستانہ انند (۸)

یہ ترجمہ ایک مفہومی ترجمہ ہے، جس کو حقّی صاحب نے اپنے بقول ترک وتصرّف سے سرانجام دیا ہے۔ 'ایزد' اور 'ساغر' کا ترجمے میں ذکر نہیں ہوا ہے، لیکن ان دونوں الفاظ کے مفہوم کو 'شکر صد شکر' اور 'عیش' کے الفاظ میں مضمر سمجھ کے ان سے ان کا مفہوم لیا گیا ہے۔ اس غزل میں 'مستانہ' قافیہ اور 'زدند' ردیف ہے۔ اس کے پیش نظر مترجم نے بھی اپنی مترجَم غزل میں 'مستانہ' کو قافیے کے طور پر اور ''د'' کو ردیف کے طور پر استعمال کیا ہے۔ حافظ کی اس غزل کی بحر، بحر رمل مثمن مخبون مقصور ہے اور اس کا وزن فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات ہے۔ اسی وزن و بحر کی حقی صاحب نے بھی اس غزل میں پابندی کی ہے۔ حافظ کے ذیل کے شعر اور اس کے ترجمے کو دیکھیے:

یاد باد آنکہ سرِ کوی ِ توام منزل بود
دیدہ را روشنی از خاک درت حاصل بود

اردو منظوم ترجمہ:

ہائے وہ دن کہ ترے کوچہ ہی میں منزل تھی
خاکِ در سے تری آنکھوں کو ضیا حاصل تھی (۹)

یہ ترجمہ لفظی ترجمے کے قریب ہے۔ ہر مصرعے کا ترجمہ الگ الگ ہے اور تقریباً ہر لفظ کا اپنا متبادل لفظ مترجَم شعر میں موجود ہے۔ فارسی شعر کے مفہوم کا بھی ابلاغ اس سے بخوبی کیا گیا ہے۔ فنی لحاظ سے اس غزل کی بحر، رمل مثمن مخبون اصلم مسبغ ہے اور اس کا وزن فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فع لان ہے۔ ترجمے میں اسی بحر و وزن کو برقرار رکھنے کی کوشش بھی نظر آتی ہے۔ قافیہ 'منزل' اور 'حاصل' ہے اور فارسی ردیف 'بود' کا اردو میں ترجمہ 'تھی' کیا گیا ہے۔ ایک غزل کا مطلع درج ذیل ہے:

خیال ِ رویِ تو گر بگذرد بہ گلشن چشم
دل از پیِ نظر آید بہ سوی روزنِ چشم

مترجم نے اس غزل کے ترجمے میں، فارسی غزل کا قافیہ اور ردیف، اپنی مترجَم غزل میں برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس غزل میں 'ن' قافیہ اور 'چشم' ردیف ہے۔ ان کا اردو منظوم ترجمے میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ مطلع کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

خیال ِ رُخ ترا گزرے اگر بگلشن چشم
جھُک آئے دل پئے دیدار تا بہ روزن چشم (۱۰)

اس شعر کے ترجمے میں حقی صاحب فارسی الفاظ و تراکیب کی مدد سے اور ان کو اردو ترجمے میں بھی برقرار رکھتے ہوئے، یہ خوبصورت، سلیس اور فصیح منظوم ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ دوسرے مصرعے میں تو آدھے سے زیادہ، فارسی شعر کے الفاظ بعینہٖ اردو شعر میں بھی در آئے ہیں۔ اس غزل کی بحر، جتث مثمن مخبون مقصور اور اس کا وزن مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات ہے۔ مترجم نے اسی بحر و وزن کو اپنی غزل میں برقرار رکھا ہے۔

حافظ کے ذیل کے شعر کے منظوم ترجمے میں، اصل متن کی ردیف و قافیے کا ذکر بہت دلچسپ ہے:

یوسف گمگشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور
کلبۂ احزان شود روزی گلستان غم مخور

اردو منظوم ترجمہ:

''یوسفِ گمگشتہ پھر آئے گا کنعاں غم نہ کر
غمکدہ تیرا بنے گا پھر گلستان غم نہ کر'' (۱۱)

حافظ کی اس غزل میں 'کنعان' اور 'گلستان' قافیہ اور 'غم مخور' ردیف ہے۔ حقی صاحب نے اپنی مترجَم غزل میں فارسی متن کے قافیے کو برقرار رکھا ہے اور اس کی ردیف کا ترجمہ: 'غم نہ کر' کیا ہے۔ اس شعر کا ترجمہ بہ ادنیٰ تصرف تقریباً لفظی ہے۔ صرف دوسرے مصرعے میں 'تیرا' اصل فارسی شعر میں نہیں اور ترجمہ نگار نے اپنی طرف سے اس کو ترجمے میں استعمال کیا ہے۔

حقی صاحب نے اپنے اس ترجمے میں حافظ کی غزلوں کی تشبیہات، استعارات اور اصطلاحات کو اپنے منظوم ترجمے میں بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی یہ کوشش بہت مناسب اور قابل قدر ہے، چونکہ اس طرح اردو زبان کے قاری کو ممکنہ حد تک اس منظوم ترجمے کے مطالعے سے حافظ کی غزلوں میں موجود شعری محاسن کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض غزلوں کا ترجمہ ایسا بے ساختہ اور تصنّع سے دور ہے، جن کو پڑھنے سے خود حافظ کی فارسی غزلوں کا لطف محسوس تا ہے۔ ذیل میں چند اشعار کو صرف مشتے نمونہ خروار کے طور پر دیکھیے:

صبا سے صبح بلبل نے بُکا کی — کہ عشقِ گل نے حالت دیکھ کیا کی
قدم اس نازنیں کے چوم لیجے — کہ نیکی جس نے بے رؤو ریا کی (۱۲)

اور ان دونوں کے اصل فارسی اشعار ملاحظہ ہوں:

سحر بلبل حکایت با صبا کرد — کہ عشق گل بمادیدی چہا کرد
غلام ہمّت آن نازنیم — کہ کارخیر بی روی و ریا کرد (۱۳)

یا ذیل میں کچھ اور مترجَم اشعار اور ان کی اصل فارسی صورت دیکھیے:

حقی:

موت میری، تری شمشیر سے تقدیر نہ تھی
دلِ بے رحم کی تیرے کوئی تقصیر نہ تھی (۱۴)

حافظ:

قتل این خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نبود
ورنہ ہیچ از دل بی رحم تو تقصیر نبود (۱۵)

اس کے باوجود کہ مترجم کے شعر کے مفہوم میں تصرّف کا آسانی سے پتا چل جاتا ہے، لیکن ترجمے میں ایسا لطف اور کشش ہے کہ اصل فارسی شعر کا حسن اس میں بھی برابر نظر آتا ہے۔

حقی صاحب اپنے ترجمے میں، ملمّع اشعار کا بہت کم ترجمہ کرتے ہیں اور اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان کو اپنی اصل عربی صورت میں رہنے دیتے ہیں:

شَمَمتُ روح وداد وَشمتُ برق وصال — چلے تو دوں خوشبو پہ تیری بادِ شمال
اَحادیاً بجمال الحَبیب قِف وَ اَنزِل — کہاں ہے صبر جمیل، اب ہے اشتیاقِ وصال (۱۶)

اوپر کے مذکورہ اشعار میں، عربی مصرعوں کو اپنی اصل شکل میں دے دیا گیا ہے جبکہ فارسی اشعار کا ترجمہ پیش ہوا ہے۔ ترجمہ بھی رواں اور فصیح ہے۔

حافظ:

سحر باباد می گفتم حدیث آرزومندی — خطاب آمد کہ واثق شو بہ الطاف خداوندی
قلم را آن زبان نبود کہ سرّ عشق گوید باز — ورای حدّ تقریر است شرحِ آرزومندی

بہ شعر حافظ شیراز می گویندو می رقصند　　سیہ چشمان کشمیری و ترکانِ سمرقندی

حقی:

صبا سے صبح، میں تھا اور بیانِ آرزومندی　　ندا آئی کہ واثق رہ بالطاف خداوندی
قلم کا منہ ہے کیا کھولے زباں رازِ محبّت پر　　ہے باہر حدّ گویائی سے شرح آرزومندی
کلام حافظِ شیراز گاتے رقص کرتے ہیں　　سیہ چشمان کشمیری وترکان سمرقندی (۱۷)

ایسے اشعار سے جن کی تعداد اس منظوم ترجمے میں کم نہیں ہے، ہمیں احتشام الدّین حقی صاحب کی فنّ شاعری میں مہارت اور استادی کے ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔ ذیل میں ایک معرف غزل کے مطلع کا ترجمہ دیکھیے:

مرحبا! اے پیک مشتاقاں سنا پیغام دوست
دل تو کیا ہم جان بھی دے دیں فدائے نام دوست (۱۸)

ترجمہ کی آہنگ اور وزن و بحر بہت حد تک فارسی شعر سے ہم آہنگ ہے۔ فارسی الفاظ اور تراکیب کو اردو عبارات سے بڑی مہارت کے ساتھ مانوس کیا گیا ہے۔

اس منظوم ترجمے کے محاسن سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے، ایک اردو زبان قاری کو فارسی زبان وادب کے ایک بڑے کارنامے سے منظوم صورت میں واقفیّت کا موقع فراہم ہوتا ہے اور تراکیب واصطلاحات کی سحر آفرینی کو جس طرح فاضل مترجم اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے قاری قریباً اصل سے بڑی قریبی واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حافظ کی غزلیات کے تہہ دار اور معنی خیز اشعار کے اونچے مقام ومرتبے تک اس کو رسائی حاصل ہوتی ہے۔

ترجمے کے معایب:

ایک نثری ترجمے میں، عام نثری عبارت کی صورت میں شعر کا مفہوم سمجھانا ہوتا ہے اور ان کو قافیہ اور ردیف اور شاعری کے دیگر لوازمات کی پابندی نہیں کرنا ہوتی، لیکن اس کے باوجود خاص طور پر بین السطور تراجم میں کئی مقامات پر مفہوم کو سمجھانے میں دقّت کا احساس ہوتا ہے۔ صرف اس تمہید سے یہ کہنا مراد ہے کہ ایک منظوم ترجمے میں چونکہ بحر ووزن، ردیف وقافیہ اور شعری ضروریات کی بھی پابندی کرنا ضروری ہوتی ہے، لہٰذا مسلّمہ طور پر ایسے مترجم کو ایک مشکل عمل کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں صرف وہ مترجم اس نازک میدان میں قدم رکھ سکتا ہے جب اس کو شعر وشاعری میں مہارت حاصل ہو۔ اوپر حقی صاحب کے اس منظوم ترجمے کے محاسن کی ممکنہ حد تک نشاندہی ہوئی ہے۔ ذیل میں ان کی مذکورہ مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، فارسی ادب کے اس مشہور کارنامے کو اردو کا جامہ پہناتے ہوئے، جو غلطیاں اور غلط فہمیاں ان سے سرزد ہوئی ہیں ان کا مطالعہ اور جائزہ لیا جائے گا۔ پہلی صورت کی غلطیوں کے بارے میں، یعنی جہاں ان سے بطور مترجم، غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ذیل کے معروضات پیش کیے جاتے ہیں۔ ذیل میں حافظ کے اصل فارسی اشعار اور حقی صاحب کے مترجم اشعار کی مدد سے اس دخل وتصرّف کی نشاندہی کی جائے گی۔ حافظ کا مندرجہ ذیل دیکھیے:

گر آمدم بکوی تو چندان غریب نیست　　چون من دراین دیار ہزاران غریب ہست

حقی:

میں ہی تری گلی میں نظر آیا ایک غریب　　اس شہر میں تو مجھ سے ہزاروں غریب ہے [کذا] (۱۹)

حافظ کے اس شعر میں 'غریب' کا لفظ دو بار آیا ہے۔ پہلے مصرعے میں اس سے مراد 'عجیب، حیرت آور' ہے اور دوسرے مصرعے میں 'فقیر، تہی دست' مراد ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے، حقی صاحب نے دونوں مصرعوں میں اس لفظ سے فقیر وتہی دست' معنی کیے ہیں۔ چونکہ پہلے مصرعے میں 'ایک غریب' سے یہی مفہوم لیا جاسکتا ہے اور عدد ہمیشہ اسم یا وہ صفت

جو اسم کی جگہ آئی ہو، سے پہلے آتا ہے۔اس شعر کے ترجمے میں اس لفظ کے مفہوم کو غلط سمجھنے کی وجہ سے ایک کلی غلطی بھی کی گئی ہے۔ پہلے مصرعے کا مفہوم یہ ہے کہ: اگر میں تیری گلی میں آیا تو یہ بات عجیب نہیں، لیکن حقی صاحب نے اسے ''میں ہی تری گلی میں نظر آیا ایک غریب'' ترجمہ کیا ہے اور اس ترجمے کا اصل متن سے دور کا بھی رشتہ نظر نہیں آتا۔ منظوم ترجمے کے پہلے مصرعے میں 'ایک' کے لفظ سے شعر کا وزن ساقط ہوتا ہے اور اس کی صحیح صورت 'اک' سے بنتی ہے۔ بہ ہر حال کتابت کی غلطی ہو یا مترجم کی ،اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اردو منظوم ترجمے کی موجودہ شکل میں شعر کا وزن صحیح نہیں ہے۔ ذیل میں حافظ کا شعر ملاحظہ ہو:

صبحدم مرغِ چمن باگل نوخاستہ گفت　　　ناز کم کن کہ دراین باغ بسی چون تو شگفت

حقی:

نوکِ بلبل نے کی ایک دن جو گلِ تازہ شگفت
تجھ سے گلشن میں بہت پھولے ہیں اترا تو نہ مفت (۲۰)

دوسرے مصرعے کا ترجمہ بالکل صحیح ہے، لیکن پہلے مصرعے کے ترجمے میں، حقی صاحب نے 'اندک' کی بجائے زیادہ 'ترک وتصرّف' کیا ہے۔ اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ حافظ پہلے مصرعے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ: مرغِ چمن (بلبل) نے صبح کے وقت ایک نوشگفتہ پھول سے یہ کہا۔ اب اس کو حقی صاحب کے مصرعے سے تقابل کر کے دیکھیں۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ 'نوک' کا لفظ 'چونچ' کے مفہوم میں، کہاں سے آیا ہے؟ یہ خیال اس لفظ کے نیچے لگایا ہوا کسرہ کی علامت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس شعر میں فعلِ 'گفت' کا ترجمہ بھی نظر نہیں آ رہا۔ یعنی جملے میں فعل بالکل غائب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر 'نوک' کا مفہوم 'چھیڑ چھاڑ' کے معنی میں لیا جائے، تو اس صورت میں اس کے نیچے کسرہ کی علامت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس صورت میں میرے خیال میں دوسرے مصرعے کی صحیح حالت یوں ہونا چاہیے: نوک ،بلبل نے کی اک دن یہ گل تازہ شگفت۔ مطلب یہ ہے کہ 'جو' کے ساتھ 'نوک' کا لفظ، 'چھیڑ چھاڑ' کے معنی میں بھی صحیح نہیں ہے۔ یعنی: بلبل نے ایک دن گلِ تازہ شگفت سے طعنے سے یوں کہا۔ اس صورت میں مترجم کا لگایا ہوا 'نوک' کا لفظ صحیح ہے۔ ورنہ اس کی کوئی اور وجہ نظر نہیں آتی ہے۔

حافظ کہتے ہیں:

معاشران گرہ از زلف یار باز کنید　　　شبی خوشست باین قصّہ اش دراز کنید

حقی:

جو عیش راں ہوں گرہ بند زلف باز کریں　　　شب وصال ہے کم، اس کو یوں دراز کریں (۲۱)

حافظ کے اس شعر میں شب کی سیاہی اور زلف یار کے سیاہ رنگ میں تناسب واضح ہے۔ حافظ یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہم محفلو! اے میرے ہمنشینو! محبوب کی زلف کی گرہیں کھولیں تا کہ اس کی سیاہی سے ذرارات کی تاریکی زیادہ ہو جائے اور شب وصال اس طرح لمبی ہو جائے۔ لیکن حقی صاحب کے ترجمے سے اس شعر کا یہ مفہوم سامنے نہیں آتا اور ان کے خیال میں 'معاشراں' جو حقی صاحب کے زعم وہی 'عیش راں' ہیں، مخاطب ہیں اور شاعر، ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ محبوب کی زلف کی گرہ کا بند کھولیں۔ دوسرے مصرعے کا ترجمہ تقریباً صحیح ہے، لیکن اس میں بھی شاعر کی تصریح کے مطابق کہ یہ ایک سرور آفرین اور خوش کن رات ہے، اس طرح، اس کو لمبی کریں کے مفہوم کو حقی صاحب 'کم' کے لفظ کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی شب وصال کم ہے، اسی طرح اس کو دراز کریں۔ حافظ کی ایک غزل کے تین اشعار ملاحظہ ہوں:

درخرابات مغان، گر گُزر اُفتد بازم　　　حاصل خرقہ وسجادہ روان در بازم
حلقۂ توبہ گر امروز چوزُھّا دزنم　　　خازنِ میکدہ فردا نکند در بازم

ور چو پروانہ دہد دست فراغ البالی　　جز بدان عارض شمعی نبود پروازم

حقی:

پھر خرابات مغان میں جو گزر ہو جائے　　حاصل خرقہ و سجادہ صفر ہو جائے
دھڑ دھڑا دیں جو در توبہ سا ہم بھی زاہد　　چُپ ہی کل پیر مغان موند کے در ہو جائے
کیوں نہ پروانہ کی سی دل کو ہو فارغ بالی　　دل بھی اس شمع پہ پروانہ اگر ہو جائے (۲۲)

ان تینوں شعروں کے ترجمے میں حقی صاحب کا ترک وتصرّف صاف ظاہر ہے۔اس پر مزید ان کے ہاں بعض مقامات پر غلط فہمی کا بھی احساس ہوتا ہے اور آخر میں ایسے الفاظ سے وہ ترجمے میں فائدہ اٹھاتے ہیں، جن کو عام طور پر شعری اصطلاح میں عیوب کلام میں شمار کیا جاتا ہے۔ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں، ایک محاورہ 'صفر ہو جانا' موجود ہے۔ یہ محاورہ ایک عوامانہ لفظ ہے اور ایک بڑے شاعر کے کلام میں ایسا محاورہ دیکھنے میں نہیں آتا ہے۔ایسے الفاظ ایسی عارفانہ غزل میں فصاحت کے خلاف ہیں۔

دوسرے شعر میں ایک شرط موجود ہے کہ:

''اگر زاہدوں کی طرح آج توبہ کی کنڈی کھٹکھٹاؤں، شرابخانے کا خزانچی، کل کو میرے لیے دروازہ نہ کھولے گا۔''(۲۳)

اگر ہم 'خازن' کو پیر مغان ہی فرض کر لیں، پھر بھی فارسی شعر میں 'چپ ہونے' کا کوئی ذکر نہیں اور جب کوئی لفظ اور اس کا مفہوم شعر میں موجود نہیں ہے تو مترجم کس بنا پر اپنی طرف سے اس کو شعر کے ترجمے میں اضافہ کر سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ حقی صاحب اس شعر میں ہندی الفاظ کے سہارے اس مفہوم کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس شعر کو ان الفاظ کے ساتھ پڑھنے سے ایک طرح کی سنگینی اور ثقالت کا احساس ہوتا ہے جس کو حافظ کی ایسی روان وفصیح غزل برداشت نہیں کر سکتی ہے۔

تیسرے شعر میں بھی یہی دخل وتصرّف مجاز حدّ سے گزرا ہوا نظر آ رہا ہے۔ 'کیوں' کا سوالیہ لفظ کسی بھی طرح 'اگر' شرطیہ کا مفہوم نہیں رکھتا۔دوسرے مصرعے میں حافظ نے 'عارض شمعی' کی خوبصورت تشبیہی ترکیب بنائی ہے۔یعنی ایسا عارض جو روشنی میں شمع کی طرح ہے۔مترجم اس خوبصورت اور پُر مفہوم ترکیب کو اردو شعر میں ڈھالنے سے قاصر رہے ہیں اور اس سے حافظ کے اس شعر میں موجود معنوی حسن کو قاری تک پہنچانے میں ناکام رہے ہیں۔

مذکورہ بالا مثالوں کے ذریعے حقی صاحب کے اس ترجمے میں غلطیاں اور غلط فہمیاں ذیل کی صورتوں میں سامنے آتی ہیں: ۱: بعض الفاظ کا صحیح معنی ومفہوم ان کے ترجمے سے ظاہر نہیں ہوتا۔ ۲: لفظی و بامحاورہ ترجمہ ان کے ہاں بہت کم ہے اور اکثر ترجمہ ترک وتصرّف سے کیا گیا ہے۔اس بارے میں وہ 'باندک' (کچھ حد تک) کے پابند نہیں رہتے اور اکثر اوقات حدّ مجاز سے آگے بڑھ کے اپنی طرف سے الفاظ یا تعابیر کا ترجمے میں اضافہ کرتے ہیں۔ ۳: فارسی الفاظ کے ترجمے کے لیے بعض اوقات ہندی زبان کے ایسے ثقیل اور دشوار الفاظ کا سہارا لیتے ہیں، جن سے شعر کی فصاحت اور روانی پر ضرب لگتی ہے۔ ۴: بعض محاورے اور الفاظ، جو روزمرہ کے استعمال میں ہوتے ہیں، غزل میں اور خاص طور پر حافظ کی غزلوں کے ترجمے کے لیے کبھی مناسب نہیں ہو سکتے ہیں، لیکن حقی صاحب بلا جھجک ان سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات/حواشی

۱- ''شان الحق حقی بحیثیت شاعر'' رسالہ ایم۔اے اردو (۱۹۹۳ء-۱۹۹۱ء) ص:۹-۱
۲- ترجمان الغیب، ص:ج ۳- ایضاً، ص:ج
۴- ایضاً، ص:الف ۵- ایضاً، ص:ب
۶- ایضاً، ص:ب ۷- ایضاً، ص:د
۸- 'انند' سے مراد 'آنند' ہے جو شعری ضرورت کے تحت مذکورہ صورت میں لکھا گیا ہے۔ترجمان الغیب، ص:۱۰۴
۹- ترجمان الغیب، ص:۱۶۱ ۱۰- ایضاً، ص:۲۲۸
۱۱- ایضاً، ص:۱۷۱ ۱۲- ایضاً، ص:۱۲۵
۱۳- دیوان حافظ، مطبوعہ نسخہ غنی-قزوینی ص:۱۱۰ میں اس شعر کا دوسرا مصرع یوں ہے: کہ عشق روئ گل باماچہ ہا کرد۔
۱۴- ترجمان الغیب، ص:۱۳۵ ۱۵- دیوان حافظ، نسخہ مطبوعہ غنی-قزوینی ص:۱۴۲
۱۶- ترجمان الغیب، ص:۲۱۲ ۱۷- ایضاً، ص:۳۱۸
۱۸- ایضاً، ص:۶۰ ۱۹- ایضاً، ص:۴۲
۲۰- ایضاً، ص:۵۴ ۲۱- ایضاً، ص:۱۴۹
۲۲- ایضاً، ص:۲۳۰ ۲۳- دیوان حافظ مترجم از قاضی سجاد حسین، ص:۳۰۳

منابع وماٰخذ

۱۔ حافظ شیرازی، شمس الدین محمد، کلیات حافظ، بکوشش محمد قزوینی ودکتر قاسم غنی، تہران، ۱۳۲۰ھ.ش/۱۹۴۱ء
۲۔ حقی محمد احتشام الدین دہلوی، ترجمان الغیب، باہتمام محمد شمس الدین خاں اکبر آبادی مالک شمس المطابع مشین پریس نظام شاہی روڈ، حیدر آباد دکن، طبع اول، ۱۳۵۷ھ.ق
۳۔ قاضی سجاد حسین، دیوان حافظ (مترجم)، ناشر: مشتاق بک کارنر لاہور، ۱۳۸۲ھ.ق
۴۔ محمد اجمل ندیم، شان الحق حقی بحیثیت شاعر، مقالہ برائے ایم۔اے اردو، نگران مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر تحسین فراقی، اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۹۳ء۔۱۹۹۱ء